سید عطاء المحسن بخاری

قلم برداشتہ

"اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دِل نہیں"

بدلتی رتوں کی روایتوں کو زندگی بخشنے والے لاہوریوں نے بسنت رُت کو خوب منایا۔ رات کی تاریکیوں کو بھی بسنتی کر دیا۔ کئی بستیوں کو اجلا کر دیا یعنی بسنت رُت میں نہا گئے۔ اور ہندوؤں کی بسنتی رت کو بھی مات دیدی۔ لاہوری دیویاں ناچیں، اچھلیں، کودیں بلکہ انہوں نے "گد کڑے مارے" یعنی "گکد کوبی" کی اور جی بھر کے پتنگیں اڑائیں، کاٹیں، بو کاٹا کے آوازے کسے، تکل اڑائے، لڑائے اور تکل کے لڑجانے کو بھی بسنت تہوار کا "فیض عام" جانا۔ لونڈے، لڑکے بالے، اور بسنت کے متوالے بھی بسنت آندھی کے ساتھ تھے "بھولے بھالے" "کٹی پتنگ" لوٹنے میں مصروف رہے اور "نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا"۔ گزر جانے والی آفت تھی، گزر گئی مگر اپنی باقیات سیئات، واردات، طریقۂ واردات، تاثرات، اثراتِ بد، پورے پاکستان کے لئے "ورثۂ خبیثہ" کے طور پر چھوڑ گئے۔ بسنتی رویے، جذبے، بسنتی اعمال، عمال اور بسنتی چونلے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ جب گولیاں چلیں، فضا کے ارتعاش نے بار بار ان گولیوں کا تعاقب کیا، گولیاں برسانے والوں کو "تاریکی" میں جھانکا، تاکا، جانا پہچانا مگر نصیر اللہ کی آنکھ نے نہ دیکھا، نہ پہچاننے کی کوشش کی، نہ جاننے والوں کی بات مانی اور اتنی سی بات نہ جانی کہ یہ سرمایہ جو بے دریغ پیشاب کی موری میں بہایا گیا، جو آتشِ بارود میں جلایا گیا، جو کاغذی پیرھن میں اڑایا گیا، جو کچے تاگے سے باندھا گیا، یہ دولت حلال کی تھی یا حرام کی؟ پاکستان کی تھی یا ہندوستان کی؟ شریف شہریوں کی تھی یا دہشت گردوں کی؟ یوسف تالپور اور جہانگیر بدر کو بدر کی چاندنی میں کوئی غربت کی ماری جوانی، بلکتی آنسو بہاتی نظر نہ آئی۔ کوئی مظلوم ظلم کی چکی میں پستا دکھائی نہ دیا۔ کوئی مزدور، کوئی کسان، کوئی رھڑی بان وڈیروں کے ہاتھوں لہولہان، زخمی زخمی، سسکتا کراھتا، عوام دوست آنکھ میں نہ "رڑکا" یا آنکھ پر چربی چھا گئی ہے۔ اقتدار کی چربی، ستے کی چربی اور ھٹے کٹے کی چربی آخر یہ بھی پگھلنی ہے اور جب یہ چربی پگھلے گی پھر یہ کہیں گے "ہمیں دوبارہ زندگی دے کہ ہم اعمال صالحہ کریں اور تیری رضا حاصل کریں" لیکن تب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ایک صاحب نے بسنتی تے کی کہ "بسنتی اعمال" کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں! ہائے اللہ کتنے کور مغز ہیں، اتنی حقیقت بھی نہیں سمجھتے کہ جس آدمی کا تعلق مذہب سے ہے اسکے ہر عمل کو اسکے مذہب پر پرکھا جائے گا اب وہ فیصلہ کریں کہ انکا بھی مذہب سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں؟ یا ان کا کونسا مذھب ہے؟

یہ فلسفہ کہ جس کام سے تھکان دور ہو، سکون ملے، نفرتیں کم ہوں وہ کام کرنے چاہئیں! بڑا آسان فلسفہ ہے جو ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی، مرزائی کے لئے مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے،

تم بھلے کیوں اور دوسرے کافر بُرے کیوں؟ تم بسنتی کرتوتوں کے باوجود جنت کے ٹھیکیدار اور وہ سوشل سروس کے باوجود دوزخ کے سزاوار؟ کیا اسی کا نام مذہب ہے؟ اور یہ ہے مذہبی کردار؟ ھت ترے کیا کہنے! کوئی ایک دوسرے کے قریب یا قریب تر ہونے سے سکون پاتے ہیں، کچھ بھیگ جانے سے سکون پاتے ہیں اور کچھ بھیگ کر پھڑ پھڑانے اور پَر سکھانے سے سکون پاتے ہیں، وہ تعزیرات پاکستان میں مجرم کیوں؟ اور "تعزیبات فافستان" کے عقوبت خانے کی زینت کیوں؟ ہوٹل کی چھت پر ڈانس ہو تو سکون اور ٹِبّی بازار میں ڈانس ہو تو فحاشی؟ آخر تم لوگ اس ملک میں کیسے جینا چاہتے ہو؟ جنگلی درندے کی طرح، یا سرکس کے جمہوری حیوان کی طرح، کلمہ گو مسلمان کی طرح؟

اگر کلمہ گو مسلمان کی طرح، تو پھر یاد رکھئے مسلمان تو کہتے ہی اسے ہیں جو دینی اقدار کا تحفظ کرے، انکی بقا کا ضامن بنے، ان کے ارتفاع وارتقاء کا نمونہ و نمائندہ بنے اور اگر سرکسی جمہوری حیوان کے رویے پسند ہیں تو پھر پاکستان سے نکل جاؤ اور دو قومی نظریے کے تحت ہندو ملیچھوں کے ساتھ مل کے یہ تہوار مناؤ۔ اچھلو، کودو، گاؤ، ناچو جدھر چاہے گھوم جاؤ اور اگر جنگلی درندوں کے سے آثار تمہارا من بھاتا رویہ ہے تو بڑی اچھی بات ہے۔ اپنی فرنگیانہ روش اور فرنگیانہ نسل لیکر چھانگا مانگا کے جنگل میں جا بسو بلکہ بہتر اور اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ کہیں اور جا بسو جہاں صرف جنگلی تہذیب کی پتنگ نہ اڑے بلکہ جنگلی لباس، جنگلی خوراک، جنگلی رویے اور جنگل ہی جنگل ہو۔

بقولِ اقبال:

چہ کافرانہ قمار حیات می بازی
کہ با زمانہ بسازی بخود نمی سازی

واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

ایک نئے مطالعے کی روشنی میں

تحقیق کی دنیا میں علماء اور دانشوروں سے دادِ تحسین وصول کرنے والی
نہایت متوازن اور مسلکِ حق کی ترجمان کتاب

قیمت 150 روپے

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی، ملتان۔